ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

احمد ندیم قاسمی سوانح و شخصیت

Ahmad Nadim Ghasemi, biography and personality

ثمرہ حسین
پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور لیڈز یونی ورسٹی، لاہور
فرزانہ افضال
پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور لیڈز یونی ورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سعدیہ عباس

Samra Hussain
PhD Scholar, Leeds University of Lahore, Lahore
Farzana Afzal
PhD Scholar, Leeds University of Lahore, Lahore
Dr.Sadia Abbas

Abstract:

Amad Nadeem Qasmi is the name of a person who has experimented in different genres of Urdu literature. He was a poet as well as a fiction writer. He used to write columns and was also aware of the art of criticism. He also wrote some stories for children. Write. Qasmi is a name of a versatile personality. Qasmi also belonged to the same rich family, but he had more economic hardships, which he was spared by his relatives. Even in these situations, mothers should not complain. The mother spins the spinning wheel and the children make ponies. When the rainy season started, the mother would take her children to sit on the threshold and pray to the raindrops that my children do not suffer. Read and write this to be good and make a name in the world. Then that Ayat-e-Kareema. Read and blow on the children. She herself was not literate but wanted to improve the future of her children. These circumstances made Nadeem very sensitive.

Keywords: Amad Nadeem Qasmi, Urdu literature, Fiction writer, write columns

احمد ندیم قاسمی کا تعلق اعوان قبیلے سے تھا۔ آپ کے اسلاف عرب کے رہنے والے تھے۔ تبلیغ کی غرض سے وہ لوگ ہندوستان کے کسی مسلماں فرماں رواکے دور میں افغانستان سے ہوتے ہوئے ملتان آکر آباد ہوئے ان میں سے چند افراد نے وادئ سون سکیسر میں تبلیغ کے سلسلے میں آکر قیام کیا۔ سکیسر وادی سون میں واقع جھیل ہے۔ قاسمی اپنے اسلاف کے وادئ سون میں آکر بسنے سے متعلق لکھتے ہیں:

ان بزگوں نے جھیل کے مشرق میں ایک پہاڑی پر اسلام آباد کے
نام سے ایک گاؤں آباد کیا اور پھر یہی کے ہو رہے۔":(۱)

وادئ سون میں بدھ کے ماننے والوں کی کثیر تعداد تھی اور قاسمی کے اجداد دینی علوم پر مکمل عبور رکھتے تھے، اس لیے ان بزرگوں نے تبلیغِ اسلام کے لیے اس علاقے کو منتخب کیا۔ آہستہ آہستہ اس علاقے کی آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں وہ لوگ پُر سکون زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک نادر شاہ کے حملے کی وجہ سے ان کی پُر سکون زندگی میں انتشار پھیل گیا اور ان کو یہ گاؤں چھوڑنا پڑا۔ ڈاکٹر افشاں ملک اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"جب نادر شاہ نے اس سر زمین پر حملہ کیا تب اسلام آباد کے باشندے

نادر شاہی لشکر کے متوقع قتل وغارت کے ڈر سے شمالی پہاڑیوں میں
پناہ گزیں ہو گئے۔"(۲)

حملے کا خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ لوگ ان پہاڑیوں سے باہر آئے تو اسلام آباد لٹ چکا تھا۔ انہوں نے اس کے شمال مشرق میں ایک پہاڑی پر ایک گاؤں آباد کیا جو انگہ کہلایا۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا۔ اس تک پہنچنے کا راستہ بھی خاصا مشکل تھا۔ حملہ آوروں سے محفوظ علاقہ تھا۔ یہ بزرگ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ ندیم کے والد غلام نبی عرف چن پیر انگہ کے پیروں کے اسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ خاصے دین دار، نماز روزہ کے پابند اور خدا ترس انسان تھے۔ ان کے نزدیک دنیاوی جاہ و حشمت کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ وہ دن رات عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ انہیں دنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ احمد ندیم قاسمی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"جب میں نے آنکھ کھولی تو میرے مرحوم و مغفور والدِ گرامی ریاضت
کی افراط سے فنافی اللہ ہو چکے تھے، دن رات کی عبادت، وظائف اور
تلاوت قرآن حکیم کے سوا انہیں کوئی کام نہ تھا۔"(۳)

ان کی گوشہ نشینی کی وجہ سے گھر اور بچوں کی ذمہ داری ندیم کی والدہ پر تھی۔ وہ خاصی صابر و شاکر خاتون تھیں۔ گھر اور بچوں کی ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دینے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتیں۔ انہیں حالات میں ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ میں پیر غلام نبی کے ہاں ایک خوبصورت اور صحت مند بچے کی پیدائش ہوئی۔ بچے کا نام احمد شاہ رکھا گیا۔ یہی بچہ آگے چل کر ندیم کہلایا۔ ندیم سے پہلے ایک بڑی بہن سعیدہ بانو اور ایک بڑے بھائی محمد بخش تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی نہایت عُسرت اور تنگ دستی میں گزری۔ اپنے گھرانے کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وہ ریشم کا لباس زیبِ تن کرتے لیکن بھوکے سوتے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"میں نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کے افراد اپنی روایتی وضع
داری نباہنے کے لیے ریشم تک پہنتے تھے اور خالی پیٹ تک سو جاتے تھے۔
مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مدرسے جانے سے پہلے میرے آنسو بڑی احتیاط
سے پونچھے جاتے تھے جو ماں سے محض ایک پیسہ حاصل کرنے میں ناکامی
کے دکھ پر بہہ نکلتے تھے، لیکن میرے لباس کی صفائی میرے بستے کی ٹھاٹ
اور میری کتابوں کی گیٹ اپ کسی سے کم نہ ہوتی تھی۔"(۴)

باہر جاتے تو خاندان کی برتری کا احساس حاوی رہتا اور گھر پر پیاز اور سبز مرچ سے روٹی کھائی جاتی۔ باہر جاتے وقت ریشم کی پوشاک پہنی جاتی اور اپنے اوپر ملمع چڑھا کر رکھا جاتا۔ رشتہ داروں نے ندیم کے والد کی گوشہ نشینی سے فائدہ اٹھا کر گدی پر قبضہ کر لیا۔ ان کے گھرانے کے لیے ڈیڑھ روپے کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ وظیفہ اور والد کے حصے میں آئی چند ایکڑ زمین سے جو اناج ملتا اسی سے گزر بسر ہوتا۔ ان کا سارا خاندان مشہور اور امیر تھا۔ ان کے بچوں کا رہن سہن قاسمی اور ان کے بہن بھائیوں سے مختلف تھا۔ ان کی کتابیں اور سلیٹیں بالکل نئی ہوتیں لیکن ندیم کالک سے روشنائی تیار کرتے اور ٹوٹے کناروں والی سلیٹ پر سوالات حل کرتے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"آس پاس اکثر تمام رشتہ دار لڑکے امیر اور خوش لباس تھے، ان کی کتابیں
نئی تھیں، ان کی سلیٹوں کے ساتھ موٹے موٹے سنہری اسفنج لٹکتے تھے
اور ان کی تختیوں پر ہتھیلیاں تھرک جاتی تھیں، اور یہاں توے کی
کالک سے روشنائی تیار ہوتی تھی، ان گنت کناروں والے سلیٹ کے
ٹکڑوں پر سوالات حل ہوتے تھے۔"(۵)

قاسمی کا تعلق بھی اسی امیر گھرانے سے تھا لیکن ان کے یہاں معاشی تنگ دستی زیادہ تھی جو انہیں رشتہ داروں کی بخشی ہوئی تھی۔ان حالات بھی ماں اپنی زبان پر حرفِ شکایت نہ لاتیں۔ماں چرخا کاتتیں بچے پونیاں بناتے۔برسات کا موسم شروع ہوتا تو ماں اپنے بچوں کو دہلیز پر لے کر بیٹھ جاتی اور بارش کی بوند بوند سے دعا کرتی کہ میرے بچوں کو کوئی دکھ نہ ہو۔یہ پڑھ لکھ کر نیک بنیں اور دنیا میں نام پیدا کریں۔پھر وہ آیتِ کریمہ پڑھ کر بچوں پر پھونکتیں۔وہ خود تو پڑھی لکھی نہ تھیں لیکن اپنے بچوں کا مستقبل بہتر بنانا چاہتیں تھیں۔ان حالات نے ندیم کو انتہائی حساس بنا دیا تھا۔

انہوں نے اپنی تعلیم کا آغاز انگہ کی مسجد سے کیا، جہاں قرآن کا درس لیا کرتے تھے۔احمد ندیم قاسمی اپنی تعلیم کی ابتدا سے متعلق لکھتے ہیں:

"میں چار برس کا ہوا تو انگہ کی اسی مسجد میں، جہاں حضرت پیر مہر علی
شاہ گولڑوی نے میرے خاندان کے بزرگوں سے ابتدائی تعلیم
حاصل کی تھی، قرآن مجید کے درس میں شامل ہوا۔"(۶)

۱۹۲۱ میں انگہ کے ہی پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہو گئے۔ان کی ماں اپنے بچوں کی تعلیم کو لے کر کافی پریشان رہنے لگیں،کیونکہ ان کے پاس ذرائع کی کمی تھی۔ندیم ابھی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے جب ۱۹۲۴ میں ان کے والد چل بسے۔اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ندیم نے جب ابتدائی چار جماعتیں پاس کر لیں تو وہ اپنے چچا کے ہمراہ کیمبل پور چلے گئے۔ان کے بڑے بھائی پہلے ہی تعلیم کے سلسلے میں چچا کے یہاں مقیم تھے۔ان کے چچا سول آفیسر تھے اور ان کو کافی آسائشیں حاصل تھیں۔چچا کے ہاں ان کی زندگی آرام و آسائش کے ساتھ گزرنے لگی۔ان کے چچا چچی کی کوئی اولاد نہ تھی۔انہوں نے ان بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دی اور انہیں تمام سہولتیں دیں۔لیکن پھر بھی احمد اور ان کے بھائی پر اپنی والدہ سے جدائی شاک گزری۔وہ والدہ کو یاد کرتے اور ان کی یاد میں روتے رہتے۔احمد ندیم قاسمی اپنے مضمون "چند یادیں" میں لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے کہ بعض سنسان دوپہر کو ہم دونوں بھائی ڈرائنگ روم
کے صوفے پر بیٹھ جاتے اور رو رو کر اماں کی باتیں کرتے پھر
اچانک بھائی جان کو یاد آجاتا کہ وہ مجھ سے دو سال بڑے ہیں۔
وہ میرے آنسو پونچھتے، مجھے تسلیاں دیتے مجھ پر زیادہ رقت
طاری ہو جاتی تو غصہ بھی ہو جاتے اور پیٹ ڈالتے۔"(۷)

انہیں چچا کے گھر کافی سہولیات حاصل تھیں انہوں نے گاؤں کی عسرت بھری زندگی بھی دیکھی تھی اور چچا کے گھر کا آرام بھی۔دس مہینے انتہائی ناز و نعم سے گزارنے کے بعد وہ چھٹیوں میں گاؤں جاتے تو انہیں محسوس ہوتا جیسے کسی نے انہیں آسمان سے زمین پر پٹخ ڈالا ہو۔ان دو الگ زندگیوں نے ان کی شخصیت میں دردمندی اور گداز پیدا کر دیا۔چچا کے گھر کتب خانہ بھی موجود تھا جہاں قیمتی کتابیں الماریوں میں سجی ہوتی تھیں۔اس کتب خانے کا ایک حصہ ان لوگوں کے لیے مختص تھا جہاں ان کے چچا انہیں قرآن پاک کی تفسیر کرواتے۔ندیم کے بھائی م۔ب پیرزادہ اپنے مضمون "ندیم کا بچپن" میں رقم طراز ہیں:

"۔۔۔ہمیں علی الصباح جگا دیا جاتا ہم نماز پڑھتے پھر باترجمہ قرآن کا
درس لیتے۔چچا جان گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جاتے جو ہمیں سلیس انداز
میں ضروری نکات سمجھاتے ہوئے ساتھ ساتھ سعدی اور اقبال کے
شعر بھی پڑھتے جاتے۔ندیم کی خوردنی طبع نے ابتدا میں وہیں سے
جلا پائی۔"(۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ندیم کے چچا انہیں حافظ، سعدی، غالب، حالی اور اقبال کے اشعار کا مطلب بتاتے اور تلفظ بھی درست کرواتے۔ ان کے چچا مولوی میر حسن کے شاگرد رہ چکے تھے اور اقبال کے ہم مکتب بھی، اس لیے وہ اکثر اقبال کے اشعار پر زیادہ زور دیا کرتے تھے، جس سے ندیم کو بچپن میں ہی اقبال کے کافی اشعار ازبر ہو چکے تھے۔ یہیں سے ان میں شعری ذوق پیدا ہوا۔

۱۹۲۹ میں انہوں نے کیمبل پور سکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ میں ان کے چچا کا تبادلہ شیخوپورہ ہو گیا تو یہ بھی ان کے ساتھ وہاں آ گئے اور وہیں سکول میں داخلہ لے لیا ، جہاں کے ہیڈ ماسٹر جناب فضل الٰہی (ن۔ م راشد کے والد) تھے۔ انہوں نے میٹرک کا امتحان ۱۹۳۱ میں گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے پاس کیا۔ ان دنوں جدوجہد آزادی زوروں پر تھی۔ مولانا محمد علی جوہر انگلینڈ میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے اور کہا کہ میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جانا چاہتا ۔ انہوں نے وہیں وفات پائی۔ ندیم ان سے بہت متاثر تھے۔ ان کے چچا نے ان کو اپنے پاس بلایا انہیں محمد علی جوہر کی وفات کی خبر دی اور کاغذ قلم ان کے سامنے رکھ کر انہیں نظم لکھنے کو کہا تو انہوں نے اپنے احساسات کو نظم کی شکل میں ڈھال دیا۔ یہ نظم تیس چالیس اشعار پر مشتمل تھی۔ پیر محمد بخش اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ”پھر انہوں نے شاہ سے کہا کاغذ پینسل لے کر کوٹھی کی چھت پر جاؤ اور وہاں
> تنہائی میں مولانا مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات کو قلم قلمبند کر لاؤ۔
> شاہ ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد دوسری منزل سے اترا تو اس کے ہاتھ میں تیس چالیس
> اشعار کی ایک نظم تھی۔“(۹)

ان کے چچا نے جب یہ نظم پڑھی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ بے ساختہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے انہوں نے ندیم کو گلے لگا لیا اور خوب پیار کرنے کے بعد کار نکال کر لاہور کو روانہ ہو گئے۔ اگلے ہی دن ان کی یہ نظم روزنامہ سیاست میں اتوار کے ایڈیشن میں احمد شاہ کے نام سے شائع ہوئی۔ ان کے چچا علامہ اقبال کے ہم مکتب رہ چکے تھے انہوں نے یہ نظم اقبال کو بھی دکھائی اور بعد میں شیخوپورہ واپس جا کر احمد کو بتایا کہ اقبال نے ان کی اس نظم کو خوب داد دی ہے، اس بات سے احمد کی خوب حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس طرح ۱۹۳۱ میں ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

ندیم کے چچا کہا کرتے تھے کہ حالی اور اقبال کی طرح ملی شاعری کرو لیکن ندیم چھپ کر غزلیں بھی لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے مقبول انور داؤدی کے کہنے پر شاطر غزنوی کو غزل بھیجی۔ انہوں نے ان کے لیے ندیم کا تخلص تجویز کیا۔ لیکن غزل میں کافی ردوبدل اور چند اشعار کا اضافہ کر کے ایک رسالے میں شائع کروادی۔ یہ بات ندیم کو بالکل پسند نہ آئی۔ ندیم نے انہیں اپنا کلام بھیجنا بند کر دیا۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ”البتہ میں ان کے ایک احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے
> شروع ہی میں میرا تخلص "ندیم" تجویز کیا۔“(۱۰)

میٹرک کرنے کے بعد انہوں نے صادق ایجرٹن کالج بہاولپور میں داخلہ لے لیا اور وہیں ہاسٹل میں مقیم ہو گئے۔ وہاں کا ماحول ندیم کو پسند نہ آیا کیونکہ آپ علمی و ادبی ماحول کے عادی تھے۔ لیکن جیسے ہی علی گڑھ کے پروفیسر پیرزادہ عبدالرشید جن کا مطالعہ نہایت وسیع تھا اس کالج سے جڑے، کالج کا ماحول بدل گیا۔ ادبی جلسے منعقد ہونے لگے۔ ایسے میں ندیم کی ادبی صلاحیتیں پروان چڑھیں۔ کالج میں ان کے ایک دوست محمد خالد اختر نے جو ذوق رکھتے تھے اور انگریزی فکشن کو زیادہ پسند کرتے ۔ انہوں نے ندیم کو بھی پڑھنے کے لیے کتب فراہم کیں اور انہیں افسانہ لکھنے کے لیے اکساتے رہتے۔ اپنی افسانہ نگاری کی ابتدا کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”انہوں نے سٹیونسن کے علاوہ متعدد انگریز اہل قلم کی کتابیں مجھے پڑھنے
> کو دیں اور ساتھ ساتھ اکساتے رہے کہ میں نے افسانہ نگاری اختیار کی
> اور یوں اپنے تخلیقی جوہر کو ایک طرح سے لامحدود کر دیا۔“(۱۱)

انہی دنوں جب ندیم بی۔ اے کے طالب علم تھے ان کے چچا مشیر مال مقرر ہو کر بہاولپور گئے۔ بہاولپور میں تقرر کے بعد دس دن کی رخصت پر اپنے آبائی گاؤں انگہ چلے گئے۔ ایک صبح حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ ندیم اس وقت سال سوم کے طالب علم تھے۔ یہ خبر سنتے ہی وہ اپنے گاؤں پہنچ گئے۔ چچا کی وفات کا صدمہ شدید

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تھا۔ انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہنے کا سوچنا شروع کر دیا، لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انہیں پتا چلا کہ چچا نے ان کی فیس کے پیسے ان کے ایک رشتہ دار کے پاس جمع کروائے تھے۔ وہ واپس بہاول پور آ گئے۔ ان کے استاد عبد الرشید نے ان کی ہمت بڑھائی۔ 1935 میں انہوں نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد وہ اپنے بھائی کے پاس چلے گئے جو لاہور میں ملازمت کرتے تھے۔ لاہور جا کر انہوں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ محمد خالد اختر اپنے ایک مضمون "ایک آدمی، احمد شاہ نامی" میں لکھتے ہیں:

کالج سے فراغت کے بعد ندیم بہاول پور سے چلا گیا۔ اور وہ پر اذیت اور کرب
ناک مہینے جو اس نے لاہور میں ڈگری ہاتھ میں لیے کسی چھوٹی سی ملازمت
کی تلاش میں جوتیاں چٹخاتے گزارے ان کی تلخی اور ہولناکی وہ ابھی تک
نہیں بھول سکا۔ جس دفتر میں جاتا، کوئی آسامی خالی نہیں کی تختی اس کا
خیر مقدم کرتی۔"(۱۲)

بڑی مشکل کے بعد انہیں ریفارمز کمشنرز کے دفتر میں محرر کی آسامی ملی، لیکن یہ ملازمت ندیم کے مزاج سے میل نہیں کھاتی تھی۔ وہ نوکری چھوڑ کر گاؤں واپس چلے گئے، لیکن پھر بھی ملازمت کی تلاش جاری رکھی۔ انہوں نے مختلف محکموں میں نت نئے ڈھنگ کی درخواستیں بھیجیں۔ اس دوران ٹیلی فون آپریٹر کی نوکری ملی، لیکن نو روز بعد انہوں نے وہ نوکری بھی چھوڑ دی۔ ۱۹۳۵ سے ۱۹۳۹ تک کا یہ دور ان کی زندگی کا سخت ترین دور تھا، لیکن اس دوران بھی انہوں نے اپنا تخلیقی کام جاری رکھا۔ لاہور میں قیام کے دوران اختر شیرانی، منصور احمد اور حامد علی خان سے ملاقات رہی۔ ان شخصیات نے ندیم کو خاصا متاثر کیا۔ ان کا پہلا افسانہ اختر شیرانی کے رسالے "رومان" میں ۱۹۳۶ میں شائع ہوا۔

ادبی کاموں کے ساتھ ساتھ ملازمت کی تلاش بھی جاری تھی کہ ان کے پھوپھی زاد بھائی کیپٹن ملک امیر تیمور نے ۱۹۳۹ میں محکمہ آبکاری میں بطور سب انسپکٹر ان کا نام منظور کروا لیا۔ چنانچہ ۳ جولائی ۱۹۳۹ کو ملتان میں اپنی نوکری کا آغاز کر دیا۔ اس نوکری سے انہیں کافی سہولیات میسر آئیں اور تنخواہ بھی پر کشش تھی۔ وہ مختلف علاقوں میں جا کر بھٹیوں کا جائزہ لیتے۔ جو غیر قانونی بھٹیاں ہوتیں ان پر چھاپا مار کر انہیں مسمار کروا دیتے اور ان کے مالکان کو حوالات بھجوا دیتے۔ اس سلسلے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"۳ جولائی ۱۹۳۹ کو میں نے ملتان کے دفتر آبکاری میں کام کرنا
شروع کیا۔ بھائی کرشن چندر نے پیغام بھیجا:
"بیکاری سے آبکاری بھلی"
حضرت جوش ملیح آبادی نے فرمایا:
؎ جناب قبلہ و کعبہ کی آبکاری ہے
شراب جو نہ پیے آجکل وہ ناری ہے۔"(۱۳)

یہ ملازمت بھی ان کے مزاج سے میل نہ کھاتی تھی۔ ان کا ضمیر انہیں بار بار جھنجھوڑتا جب وہ غریب شخص کو بھنگ کا غیر قانونی کاروبار کرتے ہوئے پکڑتے اور ان کے بیوی بچے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے ہوتے، لیکن ندیم انہیں جیل بھجوا دیتے۔ ان غریب لوگوں کو جب سزا ہوتی تو ندیم کو شدید احساسِ گناہ ہوتا۔ وہ خود کو بن پانی مچھلی کی طرح تڑپتا ہوا محسوس کرتے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی پیر محمد بخش سے ملازمت چھوڑنے کی اجازت مانگی۔ بھائی نے انہیں اجازت دے دی۔ اس ملازمت سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ندیم کو ۲۷ روپے ملتے تھے۔ جو اس دور میں اچھی گزر بسر کے لیے کافی سمجھے جاتے تھے۔ آخر کا انہوں نے یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آج میری زندگی کا زریں ترین دن ہے آج میں احمد شاہ اکسائز
سب انسپکٹر کے بجائے صرف احمد ندیم قاسمی ہوں، تجربات
کا ایک انبار سمیٹے میں اپنے ماضی کے کھنڈروں سے رخصت ہو
رہا ہوں۔"(۱۴)

اس کے بعد انہوں نے عبد المجید سالک کو خط لکھ کر اپنی پریشانی بیان کی تو انہوں نے احمد کو لاہور بلا لیا۔ جہاں انہیں ہفت روزہ "پھول" اور "تہذیبِ نسواں" کی ادارت دلوا دی۔ اسی دوران عبد المجید سالک کے کہنے پر اپنا پہلا افسانوی مجموعہ "چوپال" کے نام سے شائع کروایا۔ ۱۹۴۳ میں ندیم نے "ادبِ لطیف" کی ادارت سنبھالی۔ اس رسالے میں سعادت حسن منٹو کی ایک کہانی اور مضمون چھپا، جس پر ندیم اور منٹو دونوں پر مقدمہ چلا۔ اس مقدمے سے وہ ایک سال بعد وہ بری ہو گئے۔ لیکن مسلسل محنت اور مقدمہ بھگتنے کے بعد آپ کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ وہ لاہور سے واپس انگہ چلے گئے۔
احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں

"نروس بریک ڈاؤن نے مجھے لاہور سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔
میں انگہ آ گیا اور وہاں کی آب و ہوا امی مرحومہ کی توجہ سے
آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے لگا۔"(۱۵)

جب احمد صحت یاب ہوئے ان دنوں تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی۔ ندیم بھی مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ انہی دنوں انہوں نے ریڈیو سٹیشن پشاور سے سکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ جن دنوں پاکستان وجود میں آیا ان دنوں ندیم پشاور میں تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ریڈیو پاکستان پشاور سے جو پہلا نغمہ نشر ہوا وہ احمد ندیم قاسمی ہی کا لکھا ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے متعلق احمد ندیم قاسمی اپنے مضمون چند یادیں میں لکھتے ہیں:

"میں پشاور ریڈیو سٹیشن میں نغمے لکھ رہا تھا جب ایک پروگرام اسٹنٹ
نے ریڈیو کی چھت پر چڑھ کر اپنے ریوالور سے ہوا میں فائر کیے اور
سٹیشن ڈائرکٹر نے سبز جھنڈا کھول دیا۔"(۱۶)

پہلے تو ندیم آزادی سے سرشار تھے، لیکن جب انہوں نے سڑکوں پر لاشیں دیکھیں، سسکتے بلکتے بچے دیکھے تو وہ اس ساری صورتحال سے سخت پریشان ہو گئے اور پشاور سے بھاگ نکلے۔ پشاور سے لاہور آ کر "سویرا" سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں ان کی منہ بولی بہنیں حاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور لکھنؤ سے ہجرت کر کے لاہور آ گئیں۔ اسی دوران ان کی زندگی میں ایک تبدیلی ان کی شادی کی صورت میں آئی۔ اگرچہ ان کی منگنی بچپن ہی سے خالہ زاد بھائی کی بیٹی سے ہو چکی تھی لیکن وہ رشتہ ازدواج میں ۱۹۴۸ میں بندھے۔

رابعہ ابتدا میں انگہ ہی میں مقیم رہیں۔ احمد ندیم قاسمی کی والدہ کی وفات کے بعد وہ لاہور آئیں۔ اس وقت وہ دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں تھیں۔ ان کی ایک بیٹی ناہید قاسمی ۱۹۴۹ میں انگہ پیدا ہوئیں۔ انہوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔ اے کرنے کے بعد وہیں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ قاسمی کی وفات کے بعد وہ "فنون" کی ادارت کے فرائض سر انجام دیتی رہیں جو کہ ندیم کا شروع کیا ہوا رسالہ ہے۔ قاسمی کی دوسری بیٹی نشاط قاسمی ۱۹۵۱ میں انگہ ہی میں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی پیرزادہ محمد بخش کے بڑے بیٹے سے ہوئی۔ ۱۹۹۱ میں ان کی وفات ہو گئی۔ نعمان، قاسمی کی اکلوتی نرینہ اولاد ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۵۶ میں انگہ میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے واپڈا کے محکمہ میں نوکری اختیار کی۔

ندیم ۱۹۴۹ ہی سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو چکے تھے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے ان کے فن اور زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ جہاں دوسرے ترقی پسند ادیب مذہب سے بیزاری کا اظہار کر رہے تھے وہاں ندیم نے ایمان کے مسئلے کو بندے اور خدا کے درمیان ہی رہنے دیا۔ وہ اس تحریک سے اس لیے وابستہ ہوئے کیونکہ وہ جاگیرداروں کے مظالم دیکھ چکے تھے۔ ان کا تعلق گاؤں سے تھا، اس لیے انہوں نے گاؤں کی زندگی کو قریب سے دیکھا تھا۔ انہوں نے جاگیر دار کے زیر اثر پسیتے ہوئے سادہ لوح دیہاتیوں کو ادب میں جگہ دی۔ اس تحریک سے وابستگی کی وجہ سے انہیں بے شمار صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور کئی بار جیل بھی جانا پڑا، لیکن انہوں نے ترقی پسند تحریک کو ترک نہ کیا۔ خورشید بیگ میلسوی اپنے مضمون "احمد ندیم قاسمی۔۔۔ایک عہد ساز شخصیت" میں لکھتے ہیں:

"۱۹۵۰ اور ۱۹۷۰ کی دہائیوں میں متعدد بار جیل گئے اور قید و بند کی
صعوبتیں برداشت کیں مگر انسانی مسائل کے حل سے جڑی ترقی
پسند تحریک کو ترک نہیں کیا۔"(۱۷)

ندیم نے محمد طفیل اور حاجرہ مسرور کے ساتھ مل کر "نقوش" نامی رسالے کو جاری کیا۔ ندیم کے ترقی پسند نظریات کی وجہ سے طفیل گھبرا گئے تو ندیم نے اس رسالے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

۱۹۵۱ میں لیاقت علی خان اور ۱۹۵۸ میں ایوب خان کے دور میں جیل جانا پڑا۔ رہائی کے بعد انہوں نے "امروز" کی ادارت سنبھالی۔ اس ادارے کو جب ایوب خان حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا تو ندیم نے استعفیٰ دے دیا، اور اپنے ذاتی رسالے "فنون" کا اجرا ۱۹۶۳ میں کیا۔ اس رسالے سے ان کے جوہر کھل کر سامنے آئے۔ اس سے بہت سے نئے ادیب اور شاعر سامنے آئے۔ مختلف لکھنے والے ان کے دفتر میں جمع ہوتے۔ ندیم ان سے انوکھی اور اچھوتی تحریر لکھوا لیا کرتے۔

امجد اسلام امجد اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"یوں تو اپنے ذاتی رسالہ فنون ۱۹۶۳ کے آغاز سے پہلے بھی وہ سویرا اور
نقوش جیسے اہم ادبی رسالوں کی ادارت کر چکے تھے مگر ان کے مدیرانہ
صلاحیت کے اصل جوہر فنون کی معرفت ہی کھلے کہ اس پرچے نے ہم عصر
ادب کی نمائندہ ترین تحریروں کے ساتھ بے شمار ایسے ادیب اور شاعر
بھی متعارف کروائے جو اس وقت ہمارے آسمانِ ادب پر چاروں
طرف جگمگا رہے ہیں۔"(۱۸)

ندیم نے اس رسالے کے معیار کو برقرار رکھا۔ جس کی وجہ سے اسے کافی مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ ندیم کے انتقال تک اس کے 126 شمارے ترتیب دیئے جا چکے تھے۔ انہوں نے فکاہی کالم لکھے۔ "حرف و حکایت" کے عنوان سے ان کے فکاہیہ کالم شائع ہوئے۔ انہوں نے "پنج دریا"، "موج در موج" اور "عنقا" کے نام سے فکاہی کالم لکھے۔ روزنامہ جنگ لاہور سے ہفتہ وار کالم "لاہور لاہور ہے" کے نام سے لکھے۔ 1976 میں روزنامہ جنگ لاہور سے منسلک ہونے کے بعد "رواں دواں کے نام سے کالم لکھے۔ ان کا آخری کالم ان کی وفات سے پانچ دن پہلے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ندیم مجلس ترقی ادب سے بھی وابستہ رہے۔

ندیم وجیہہ شکل کے آدمی تھے۔ چہرہ سرخ و سپید تھا۔ قدرت نے انہیں اچھی شکل کے ساتھ اعلیٰ صلاحیتیں بھی عطا کی تھیں۔ وہ خوش پوش انسان تھے۔ اچھے سے اچھا اور قیمتی لباس ان کے بدن پر ہوتا۔ شہر میں آمد کے بعد انگریزی لباس زیبِ تن کرتے تھے، لیکن گھر میں شلوار قمیض پہنا کرتے تھے۔ جب گاؤں جاتے تو وہاں کا لباس تہمد کرتا اور بڑی سی پگڑی پہنتے۔ خدیجہ مستور لکھتی ہیں:

"اچھے کپڑوں پر ہمیشہ جان دیتے ہیں اور اچھے کپڑوں کا اندازہ قیمت
سے لگاتے ہیں۔ اپنے لیے جوتا، کنگھا، برش، بلیڈ، ریزر، تیل یا اس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

قسم کی جو بھی چیز لائیں گے قیمتی سے قیمتی۔"(۱۹)

جب وہ گفتگو کرتے تو اس میں ٹھہراؤ اور شائستگی ہوتی تھی، اور ہر وقت ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ وہ بذلہ سنج اور حاضر جواب بھی واقع ہوئے تھے۔ بات سے بات نکال لیتے۔ افتخار مجاز اپنے مضمون "ہنستے مسکراتے ندیم" میں لکھتے ہیں:

"قاسمی صاحب جہاں خود طنزِ لطیف اور دلچسپ فقرہ کہنے کے ماہر
تھے وہاں دوسروں کے شرارتی جملے اور دلچسپ فقرے انجوائے
بھی کرتے تھے۔"(۲۰)

وہ بچپن ہی سے دوسروں کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھوٹی چھوٹی شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ انھوں نے کہیں سے جمال گھوٹا کا نام سنا اور اسے ملازموں کے کھانے میں ملا دیا جس سے ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ندیم اس وقت پریشان ہو گئے اور خاموشی سے سب دیکھتے رہے، پھر اپنے بڑے بھائی محمد بخش کو تمام بات بتا دی۔
انہیں مطالعہ کا بچپن ہی سے شوق تھا اور مرتے دم تک قائم رہا۔ ۷۰ برس تک ادب کی خدمت کرتے کے بعد ۹۰ سال کی عمر میں ۱۰ جولائی ۲۰۰۶ میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان کو ان کی شریکِ حیات کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی قبر کے کتبہ پر انہیں کا شعر درج ہے۔

؎ میں مر بھی جاؤں تو تخلیق سے باز نہ آؤں
بنیں گے نت نئے خاکے میرے غبار سے بھی

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی، جلال و جمال، نیا ادارہ، لاہور، ص ۱۰
۲۔ افشاں ملک، ڈاکٹر، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی آثار و افکار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷، ص ۳۸
۳۔ احمد ندیم قاسمی، جلال و جمال (تمہید)، محولہ بالا ۱، ص ۱۱
۴۔ احمد ندیم قاسمی، چند یادیں، مشمولہ عالمی اردو ادب (احمد ندیم قاسمی نمبر)، دہلی جلد نمبر ۱۴، ۱۹۹۶، ص ۱۹
۵۔ احمد ندیم قاسمی، جلال و جمال، محولہ بالا ۱، ص ۱۱
۶۔ گلزار جاوید، احمد ندیم قاسمی سے انٹرویو، محولہ بالا ۳ ص ۴۷
۷۔ احمد ندیم قاسمی، چند یادیں، محولہ بالا ۴، ص ۲۲، ۲۱
۸۔ م۔ ب پیرزادہ، ندیم کا بچپن، مشمولہ افکار، کراچی، شمارہ ۱۹۷۵، ۵۹، ۵۸، ص ۱۲۳
۹۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۱۰۔ گلزار جاوید، احمد ندیم قاسمی سے انٹرویو، محولہ بالا ۳، ص ۴۹
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۰
۱۲۔ محمد خالد اختر، ایک آدمی، احمد شاہ نامی، مشمولہ، محولہ بالا ۸، ص ۱۵۱
۱۳۔ احمد ندیم قاسمی، جلال و جمال، محولہ بالا ۱، ص ۱۶، ۱۵
۱۴۔ ایضاً، ۱۷
۱۵۔ گلزار جاوید، احمد ندیم قاسمی سے انٹرویو، محولہ بالا ۳، ص ۵۱
۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، چند یادیں، محولہ بالا ۴، ص ۲۵
۱۷۔ خورشید بیگ میلسوی، احمد ندیم قاسمی ایک عہد ساز شخصیت، مشمولہ بیاض، لاہور، ماہنامہ، نومبر، ۲۰۱۵، ص ۱۰۰
۱۸۔ امجد اسلام امجد، مرے ہمراہ دریا جا رہا ہے، مشمولہ بیاض، لاہور، نومبر، ۲۰۰۶، ص ۲۴۵
۱۹۔ خدیجہ مستور،
۲۰۔ افتخار مجاز، ہنستے مسکراتے قاسمی صاحب، محولہ بالا ۱۸، ص ۱۷۹